جوش ملیح آبادی

جوش ملیح آبادی کے بزرگ آزادقبائل کی وادی تیراہ سے ترکِ سکونت کر کے ملیح آباد پہنچے تھے۔جوش کاتعلق آفریدی پٹھانوں کے قبیلے سے ہے۔ملیح آبادجیسی خوبصورت زرخیز زمین پرشاعرِ انقلاب جضرتِ جوش ملیح آبادی کی پیدا ہوئی۔امانی گنج کے میدان میں جوش صاحب نے اپناشاندار گھر"قصرِ سحر"تعمیر کروایا۔جوش کی فقط دواولادیں تھیں بیٹے سجادحیدر،اور بیٹی سعیدہ بیگم۔

جوش ملیح آبادی کا نام شبیرحسن خان ہے۔ان کی پیدائش ۵ر دسمبر 1897ءملیح آباد کے ایک آفریدی پختون نواب گھرانے میں ہوئی۔والدبشیراحمدخاں بشیربھی شاعر تھےاوردادانواب احمدخاں بھی شاعر تھےاسکےعلاوہ اِنکے پردادافقیرمحمدخاں بھی صاحبِ دیوان شاعر تھے۔دوسوتیلے چچابھی شاعر تھے،بڑی پھوپھی،بڑی بہن اور بڑے بھائی جان بھی شاعر تھے۔جوش ملیح آبادی کاتعلق فاٹا کے پشتون قبیلے کےایک ادبی دانشور گھرانے سے تھا۔مغلوں کے آخری دور میں جوش کے آباؤاجداد نے یوپی میں مستقل سکونت اختیار کی جہاں اِس گھرانے کی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں آئیں اُردو زبان کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔شاعری،نثرنگاری اُردو زبان کی ترقی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔آپ کے خاندان کی خواتین شاعرات بھی تھیں۔جوش کی دادی بیگم نواب محمد احمد خاں،مرزا غالب کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔اِس طرح جوش کوشاعری ورثے میں ملی تھی۔"1914ءمیں سینٹ پیٹرز کالج آگرہ سے سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کرنے کے کچھ وقت عربی فارسی کی تعلیم حاصل کرنے میں صرف کیااور پھر چھ ماہ سنسکرت تمدن سے متعلقہ امور کوسمجھنے میں ٹیگور یونیورسٹی میں گزارے والد کی وفات "1916"ءمیں ہوئی شروع میں جوش نے شعروشاعری کی سخن وری کے ساتھ ساتھ انگریزی دقیق ادب اور فارسی ادب کے مضامین اُردو میں ترجمے کیئے۔

جوش ایک ہشت پہلوشخصیت کا نام ہے۔اُنہیں شاعری پر زبردست کمال حاصل تھا۔وہیں نثر پر بھی اُنہیں ادراک تھا۔اُن کی نثر اپنی مثال آپ ہے۔جوش کاتعلق فلم اورصحافت سے بھی رہا"کلیم"جوش نے دہلی سے ایک ادبی رسالہ شائع کیا تھالیکن مالی مشکلات کے سبب جاری رہ نہ سکا۔بعد میں" آج کل" کے مدیر بنائے گئےلیکن یہاں بھی زیادہ دنوں تک رہ نہ سکے،نظام حیدرآباد کے دارالترجمہ سے بھی وابستہ رہے۔عثمانیہ یونیورسٹی میں تراجم کی نگرانی کے فرائض انجام دئے۔1955میں پاکستان کوچ کر گئے۔پاکستان میں بھی اُن کی وابستگی ترقی اُردو بورڈ میں رہی لیکن اختلافات کے سبب وہاں سے بھی سبکدوش ہونا پڑا۔جوش نے فلمی دنیا میں بھی قدم رکھا اور "1943"سے"1948"کے درمیان متعدد فلموں کے گانے اور مکالمات لکھے۔

جوش نے کالم بھی لکھے۔وہ روزنامہ جنگ سے منسلک رہےاور"علم وفکر"کےعنوان سے کالم لکھے۔اُن کا اولین کالم 1962 کوشایع ہوا۔جوش کی طویل ترین نظم حرفِ آخر ہے جوش کی شاعری اُردوادب کی آبرو ہے۔جوش نے ازخوداپنے آپ کوحافظ شیراز کہا ہے۔

آرہی ہےصدائے ھاتف غیب
جوش ھمتائے حافظ شیراز

جوش نے روح ادب،شاعر کی راتیں،نقش ونگار،شعلہ اورشبنم،فکرونشاط،جنون وحکمت،حرف وحکایت،آیات ونغمات،عرش وفرش،رامش ورنگ،سنبل وسلاسل،سیف وسبو،سرودوسروش،سموم وصبا،طلوع فکر،الہام وافکار،موحدومفکر،نجوم وجواہر،جوش کےسوشعر،پیغمبرِ اسلام،جوش کے مرثیے وغیرہ جیسی تخلیقات اردوشاعری کودیں۔جوش کی نثری کتابوں کے نام مقالاتِ زریں،اوراقِ سحر،اِرشادات ہیں۔

جوش نے 'یادوں کی بارات کے نام سے اپنی سوانح عمری بھی لکھی ہے جو بہت ہی متنازع اور معروف بھی رہی ہے۔ یادوں کی بارات ایک ایسی شہرہ آفاق کتاب ہے کہ ہندو پاک کے ادبی، سیاسی اور سماجی حلقوں میں زبردست واویلا مچا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ جوش کو اِن کی خود نوشت کی وجہ سے بہت شہرت حاصل ہوئی کافی باتیں متنازع بنی ادبی اور سیاسی حلقوں میں ہلچل مچی رہی اخبارات میں حمایت اور مخالفت میں کالم لکھے گئے ۔نثر نگاروں نے کتابیں لکھیں موضوعِ بحث حضرتِ جوش کی یادوں کی بارات تھی۔ یادوں کی بارات" 1972 " کراچی سے شایع ہوئی تھی۔ اِس طرح سے وہ دس برسوں تک تنازعات میں گھرے رہے اور اِس کے باعث اُنہیں بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا حکومت کے عتاب کا نشانہ بنے رہے۔لیکن کوئی اِس سے اِنکار نہیں کرسکتا کہ جوش عظیم شاعر اور نثر نگار تھے۔ یادوں کی بارات جوش کی یادگار آپ بیتی اور تاریخ ساز عہد کی تہذیبی زندگی کا دلکش مرقع ہے۔

جوش کو شاعرِ انقلاب کہا جاتا ہے ان کا مشہور شعر ہے

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب وانقلاب وانقلاب

جوش فطری موروثی شاعرانہ صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس میں کئی پشتوں سے شعرگوئی کا چرچا تھا۔ یہ شاعرانہ مزاج، صلاحیت اُنہیں وراثت میں ملی تھی۔ اُن کی شاعری میں بے پناہ روانی اور سلاست ہے۔ الفاظ کا ایک دریا سا اُمنڈتا اور شور مچاتا اُن کی ہر نظم میں آتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اُن کا ذخیرہ الفاظ اِتنا وسیع ہے کہ پوری اُردو شاعری میں غالباً نظیر اکبرآبادی اور اَنیس لکھنوی کے سوا کسی شاعر اِس معاملے میں حضرتِ جوش کی ٹکر کا نہیں مثلاً

برچھیاں، بھالے، کمانیں، تیر، تلواریں، کٹار
بیرکیں، پرچم، علم، گھوڑے قطار اندر قطار

جوش کی نظموں میں نئی نئی اور پے در پے تشبیہوں اور استعاروں کا ایک ایسا برجستہ بے ساختہ استعمال ہے کہ پڑھنے والا اُن کے الفاظ کی گھن گرج کے علاوہ اِن تشبیہوں اور استعاروں کے طلسم میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر

بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے، توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے دم توڑ رہی ہیں تدبیریں

مختلف قدرتی مناظرِ فطرت کو بھی حضرتِ جوش نے بڑی مہارت، لگن، خوبصورتی فہم سے روانی بیان کی ہے۔ مثلاً صبح سویرے سویرے کا منظر دیکھیئے۔ انگریزی شاعر ناول نگار جان ملٹن نے جو اپنی شاعری میں منظر نگاری کی ہے وہ ماند پڑ جاتی ہے حضرتِ جوش کے قلم کی روانی میں بھیگے اِن اشعار میں۔

نظر جھکائے عروسِ فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں، افق کی لو تھرتھرا رہی ہے
طیور، بزمِ سحر کے مطرب، لچکتی شاخوں پہ گا رہی ہے
نسیمِ فردوس کی سہیلی گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے

جوش نے اپنے دور کے نوجوانوں کے اضطرابی اور پریشانی کو بھی بڑی وضاحت سے جا بجا بیان کیا ہے۔

" کیا شیخ، ملے گا گلفشانی کر کے
توہین مزاج نوجوانی کر کے

تو آتش دوزخ سے ڈراتا ہے انہیں
جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کر کے

1956ء میں جوش نے ہندوستان چھوڑا تو دونوں ملکوں یعنی پورے برصغیر میں جوش کا ڈنکا بجتا تھا۔ برصغیر میں ایک ہزار برس سے بس روایت کے تحت اُردو، فارسی شاعری ہو رہی تھی جوش کا کلام اِس روایت کی تصدیق کرتا ہے اور اِسی پر اپنی بنیاد قائم کئے ہوئے ہے۔ اگر چہ جوش نے غزل کم کہی اور نظم اور رباعی کی طرف زیادہ توجہ دی، لیکن اُن کی نظم گوئی سے بھی ہزار سالہ عجمی روایت کی گرفت ڈھیلی نہیں پڑی۔ جوش نے غزل کے بجائے نظم کی طرف زیادہ توجہ دی۔ عصری تقاضوں کا انہوں نے پورا خیال رکھا۔ جیسے مزدور کی حمایت، مناظر فطرت کی عکاسی، عقل پسندی کی تبلیغ، سرمایہ داروں کے خلاف غم وغصہ کا اظہار، مذہب اور ملا کی تضحیک وغیرہ۔

جوش جنگِ عظیم اول سے لیکر جنگِ عظیم دوئم اور ملک کی آزادی کی تمام سیاسی، معاشی اور اخلاقی بدحالی کے عینی شاہد تھے۔ جوش نے مرثیے بھی لکھے۔

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حُسین
چرخ نوعِ بشر کے تارے ہیں حُسین
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حُسین

ایک مرثیہ میں امام حُسین کی شان میں جو اشعار کہے ہیں اُن میں اور معرکہ دشتِ کربلا میں جذبہ شوق ایک قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ جوش نے امام حُسین کو صاحبِ مزاجِ نبوت، وارثِ ضمیر رسالت، خلوتی شاہد قدرت، فخرِ مشیت، کاروانِ عزم کا رہبر، مینارہ عظمت، دلیل اور شرافت اور روحِ انقلاب کا پروردگار جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔

جوش کی شاعری کے دو مخصوص پہلو ہیں۔ پہلا رومانیت دوسرا گھن گرج جسے ہم انقلابی آن بان سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس انقلابی شاعری کا محور انگریز دشمنی ہے جو ۱۹۱۸ء سے ملتی ہے۔ 'روح ادب' اور 'نقش ونگار' میں بھی انقلابی تصور ملتا ہے لیکن 'شعلہ وشبنم' کے اولین حصہ 'آتش کدہ' کی ساری نظمیں انقلاب کی مجسم تصویر ہیں۔ جوش نے رومان سے انقلاب کی جانب اپنی شاعری کا رخ موڑا ہے۔ اس لئے ان کی انقلابی شاعری میں بھی رومانی اثرات نظر آتے ہیں۔ نظم 'نعرہ شباب' میں بوڑھے لیڈروں سے خطاب کرتے ہوئے انقلاب کی جانب اس طرح گامزن ہوئے :

ہٹ کہ اب سعی وعمل کی راہ میں آتا ہوں میں
خلق واقف ہے کہ جب آتا ہوں چھا جاتا ہوں میں
اے قدامت پہ کھلی ہے سامنے راہِ فرار
بھاگ وہ آیا نئی تہذیب کا پروردگار
ولولوں سے برق کی مانند لہراتا ہوا
موت کے سائے میں رہ کر موت پر چھاتا ہوا

''شعلۂ وشبنم'' کے 'آتش کدہ' کی بیشتر نظمیں بغاوت کے جذبے سے سرشار ہونے کے ساتھ آزادی کی تڑپ سے بھرپور ہیں۔ جوش کے خیال میں انقلاب ایک جاوداں کردار ہے اور وہ کردار بذاتِ خود جوش ہیں۔

'شکست زنداں کا خواب' ان کا وہ نظم ہے جس میں جوش نے زندانیوں کے حوصلہ کی داد دی ہے اور یہ بتایا کہ اگر یہ اپنی ضد پر آجائیں تو دنیا کا کوئی قید خانہ ان کو مقید نہیں کر سکتا۔ انگریزوں کو متنبہ کرتے ہوئے جوش کہتے ہیں کہ عوام میں اگر آزادی کی امنگ بپا ہوگئی

تو تمام تر تدابیر ناکارہ ثابت ہوجائیں گی۔ ''بے نور ہے چہرہ سلطاں کا'' اس بات کی علامت ہے کہ اب شاہاں وقت مراد فرنگیوں کے چہرے سے رونق ختم ہونے والی ہے نظم ''بغاوت'' میں جوشؔ نے اپنے باغیانہ تیور پوری آب وتاب کے ساتھ ظاہر کئے ہیں دیکھئے:

ہاں بغاوت' آگ' بجلی' موت' آندھی میرا نام
میرے گِردوپیش' اجل' میری جلو میں قتل عام
جنگ کے میدان میں میری سیف کی اللہ وی ضو
خاک بن جاتی ہے بجلی برف دے اٹھتی ہے لو

پوری نظم ولولہ انگیزیوں اور شرر فشانی سے تعبیر ہے۔ جوانانِ وطن ان کی امید کا مرکز ہیں وہ چاہتے ہیں کہ وطن کی آزادی کے لئے قربان ہونے کے لئے تیار رہیں، انگریزوں کی غلامی، ذلت وتحقیر سے بھری زندگی سے نجات پانے کے لئے نوجوانوں کو خونی کفن بھی پہننا پڑے تو بہ خوشی پہن لیں۔ جوشؔ 'بغاوت' کی زبان سے نوجوانانِ وطن کو یہ حوصلہ افزا کلمات سے نوازتے ہیں۔

اے جواں مردوں یہ ذلت کس لئے سہتے ہوتم
مرد ہوکر ٹھوکروں کی زد پہ کیوں رہتے ہوتم

دوسری طرف جوش نے رومانی نظمیں بھی کثرت سے لکھی ہیں اور حسن فطرت کی منظر کشی کی ہے۔ ان کی نظم ''تصویر جمال'' سے ایک اقتباس پیش ہے۔ اس نظم میں جوش نے لفظی مرقع نگاری سے جو سماں باندھا ہے وہ حددرجہ مسحور کن ہے۔ جوش کی رومانی شاعری کی یہ ایک عمدہ مثال ہے:

لہراتی تھیں زلفیں کھل کھل کر اس شان سے رنگیں شانوں پر
جس طرح گھٹائیں ساون کی جھک پڑتی ہیں مے خانوں پر
ہونٹوں پر دھیمے نغمے تھے یا محو تھیں حوریں قرأت میں
مکھڑے پر لٹوں کا پرتو تھا یا آب حیواں ظلمت میں
چلتی تو قدم یوں رکھتی تھی دن جیسے کسی کے پھرتے ہیں
یا ناز سے بھیگی راتوں میں شبنم کے قطرے گرتے ہیں

جوش کی رومانی شاعری میں تخیل کی جولانی، جوانی کی مستانہ وارادائیں، جذبہ عشق کی ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ طنز کا ایک انوکھا رنگ بھی موجود ہے۔ ان کی نظم ''فتنہ خانقاہ'' اس کی عمدہ مثال ہے۔ اس نظم میں جوش نے کئی بگلا بھگت جعل سازوں کے مکر کا پردہ فاش کیا ہے۔ ایک حسینہ کے حسن کے سامنے بڑے بڑے ضبط کرنے والے بھی بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے پوری جرأت کے ساتھ اس واقعہ کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ جوش کی رومانوی شاعری میں حسن ومحبت کی تصویر کشی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس نظم میں جوش نے اس حسینہ کا احول بیان کیا ہے جو کسی خانقاہ پر فاتحہ کی غرض سے پہنچی مگر وہاں موجود لوگوں نے اسے میلی نگاہ سے دیکھا۔ دیکھنے والوں کی حریصانہ نگاہوں اور مریضانہ ذہنیت کا جو احوال جوش نے بیان کیا ہے وہ لمحہ فکریہ ہے:

ایک دن جو بہر فاتحہ ایک بنت مہر وماہ
پہونچی نظر جھکائے ہوئے سوئے خانقاہ
زہاد نے اٹھائی جھجکتے ہوئے نگاہ

ہونٹوں پہ دب کے ٹوٹ گئی ضرب لا الہ
برپا ضمیر زہد میں کہرام ہو گیا
ایماں دلوں میں لرزہ براندام ہو گیا
اس آفت زمانہ کی سرشاریاں نہ پوچھ
نکھرے ہوئے شباب کی بیداریاں نہ پوچھ
رخ پر ہوائے شام کی گل کاریاں نہ پوچھ
کاکل کی ہر قدم پہ فسوں کاریاں نہ پوچھ
عالم تھا وہ خرام میں اس گل عذار کا
گویا نزول رحمت پروردگار کا

جوشؔ الفاظ کے بادشاہ کہے جاتے ہیں۔ الفاظ کے برمحل استعمال سے بلند آہنگی، حوصلہ کی فراخی اور طنطنہ پیدا کرنا ان کا خاصہ ہے۔ مخصوص تراکیب، تکرار لفظی کے ذریعہ گھن گرج اور غنائیت ان ہی کو زیب دیتا ہے۔ نامانوس اور عوامی الفاظ بھی ان کی نظموں میں اس طرح مستعمل ہیں کہ سماعت کو ناگوار نہیں لگتے: